Rooh-e-Tahqeeq, Vol.03, No.01, Serial No. 07, January-March 2025

الف لیلہ کے داستانوی عناصر: بحوالہ مترجمہ رتن ناتھ سرشار

Narrative Elements of Alf Laila: Translated by Ratan Nath Sarshar

Dr. Asifa Izzatullah
Assistant Professor of Urdu, Minhaj University Lahore
asifaizzat.urdu@mul.edu.pk

Abstract:
This article examines the legendary elements of Alif Laila (Arabian Nights) with a particular focus on its Urdu translation by Ratan Nath Sarshar. Sarshar, a distinguished Urdu writer and translator, played a significant role in adapting the tales for an Indian readership, ensuring that the linguistic and cultural nuances of the original Arabic text were preserved while making them accessible to Urdu-speaking audiences. The article explores the structural and thematic aspects of Alif Laila, highlighting its intricate narrative framework, use of storytelling within storytelling (frame narratives), and its incorporation of folklore, myth, and fantasy. A key aspect of the article is the linguistic and stylistic analysis of Sarshar's translation. It delves into the use of metaphors, idioms, and rhetorical devices that enhance the narrative's richness and readability. Additionally, the study discusses how the tales reflect moral, philosophical, and social themes, offering insights into human nature, justice, fate, and the complexities of life. The adaptability of Alif Laila across different cultures and literary traditions underscores its universal appeal, making it a cornerstone of world literature. By analyzing Sarshar's translation, the article emphasizes the role of translators in preserving and reshaping literary heritage. It argues that Alif Laila is not merely a collection of fantastical stories but a reflection of cultural history, linguistic evolution, and storytelling traditions that continue to influence literature today.

Keywords:
Translation, Significant, Readership, Structural, Highlight, Linguistic, Enhance, Additionally, Emphasizes, Influence.

داستان گوئی ایسا فن ہے، جس کا رواج از منہئ قدیم سے چلا آرہا ہے اور ہر قوم و قبیلے میں داستان سرائی ہوتی رہی ہے۔ عرب میں رات کے کھانے کے بعد داستان گوئی کی محفل برپا ہوتی تھی اور داستان گو اجرت میں کھجور لے کر پوری رات داستانیں سُنایا کرتے تھے۔ مغربی یورپ اور انگلستان میں آرتھر اور شارلیان وغیرہ کے قصے سنانے کا رواج تھا۔ ہندوستان میں بھی یہ فن عروج کو پہنچا۔ ہندوستان میں فارسی ادب کے زیرِ اثر داستان گوئی کا رواج رہا ہے، لیکن داستان گوئی کو بحیثیت فن ترقی دینے اور عروج پر پہچانے میں بادشاہوں کا ہاتھ ہے۔ بادشاہوں کی سرپرستی کی بدولت ہی اس فن کو فروغ حاصل ہوا اور لوگوں نے اس میں نئی نئی راہیں دریافت کیں اور ایسی جدتیں پیدا کیں جن کی بدولت فنِ داستان گوئی نے ترقی کی منازل طے کیں اور ایک باقاعدہ فن کی شکل اختیار کرلی۔ یوں پہلی بار محمد شاہ رنگیلا کے عہد میں داستان گوئی نے عروج حاصل کیا۔ ڈاکٹر سہیل بخاری داستان گوئی کے فن کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"دراصل داستان گوئی فی البدیہ تصنیف کرنے کا دوسرا نام ہے۔ داستان گویوں کا کمال یہ تھا کہ قصہ گھڑتے جاتے تھے اور بیان کرتے جاتے تھے اور پھر لطف یہ کہ زبان و بیان کے اعتبار سے کیا مجال جو کہیں کوئی نقص

آجائے۔ روانی اور طاقت لسانی کا یہ عالم تھا کہ گھنٹوں تک داستان سرائی ہوتی رہتی تھی لیکن داستان گویوں کو الفاظ اور مواد میں کہیں کوئی رکاوٹ یا کمی محسوس نہیں ہوتی تھی۔" (۱)

داستان کی فنی خصوصیات میں طوالت ہی بنیادی خصوصیت ہے کیوں کہ مختصر یا نامکمل قصیا ور کہانی کو داستان کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے داستان کے لیے ضروری ہے کہ یہ قصہ در قصہ ہو۔ داستان گو اس فن پر پورا اُترنے کے لیے مرکزی داستان کے ساتھ چھوٹے چھوٹے ضمنی قصے جوڑتا جاتا ہے۔ یوں داستان گو مرکزی قصّے کو طول دینے کی خاطر چھوٹے چھوٹے ضمنی قصے اس انداز اور مہارت سے ساتھ جوڑتا ہے کہ سامعین کے لیے باعثِ اکتاہٹ نہیں بنتے بلکہ ان واقعات کے متنوع ہونے کی بدولت، سامعین کی دلچسپی اس میں بڑھتی جاتی ہے۔ داستان گو اپنی بات کو زیادہ دلچسپ اور خوبصورت بنانے کے لیے مافوق الفطرت عناصر، جن، پری اور بھوت پریت کے حیرت انگیز مظاہرات پیش کرنے کے ساتھ ساتھ عشق و محبت کے ایسے ایسے مراحل اور واقعات سامنے لاتا ہے جو وارفتگی اور سرشاری کا سبب بنتے ہیں اور اُکتاہٹ سے دُور لے جاتے ہیں۔

مختصر یہ کہ داستان گو اپنی مہارت اور ہنر کی بدولت، داستان میں رنگا رنگی اور ضمنی قصوں کی بدولت، ہمہ گیری پیدا کرتا ہے۔ چوں کہ سامعین کی دلچسپی کو ضروری مواد اور معلومات کے بغیر قائم رکھنا ممکن نہیں، لہٰذا داستان گو کو خاصی مہارت کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔

داستان گوئی کا رواج چونکہ انسان کی تہذیبی اور معاشرتی زندگی سے چلا آرہا ہے اس لیے حسن و عشق کا بیان بھی داستان کی امتیازی خصوصیات میں شامل ہے۔ داستان کا موضوع کچھ بھی ہو، حسن و عشق کا بیان بہت ضروری ہے۔ داستان میں دیگر قصوں کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے معاشقے بھی نظر آتے ہیں۔ اس طرح داستان میں عشق و عاشقی کے داؤ پیچ ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر گیان چند:

"داستان ایک ہر دلعزیز صنف تھی۔ ہمارے انشا پردازوں کو رؤسا کے گوشۂ چشم کی تلاش تھی۔ ان کی داد معیشت کا سامان بھی فراہم کرتی تھی۔ امرا کو فلسفہ و تاریخ و منطق سے کیا لینا تھا؟ وہ نثر میں کوئی صنف پسند کرتے تھے تو داستان میں ساحری کے ساتھ ساتھ شاعری کا رنگ و آہنگ بھی جھلکتا تھا۔" (۲)

یوں داستان طراز داد اور نذرانے کے حصول کی خاطر اپنی داستان میں چاشنی اور رنگا رنگی پیدا کرتا اور جب تک چاندنی راتیں رہتیں، یہ سلسلہ بھی برابر چلتا رہتا۔ خواجہ امان نے "حدائق الانظار" (ترجمہ بوستان خیال) کے دیباچے میں داستان کی حسبِ ذیل خصوصیات بیان کی ہیں۔

"اوّل: مطلب مطوّل و خوش نما جس کی تمہید و بندش میں توارد مضمون اور تکرارِ بیان نہ ہو۔ مدت دراز تک اختتام کے سامعین مشاق رہیں۔ دوم: بخیر مدعائے خوش ترکیب و مطلب دل چسپ، کوئی مضمون سامعہ خراش وہنرل درج نہ کیا جائے۔ سوم: لطافت زبان و فصاحت بیان۔ چہارم: مبادرت سریع الفہم کہ واسطے فنِ قصہ کے لازم ہے۔ پنجم: تمہید قصہ میں بجنسہٖ تواریخ گذشتہ کا لطف حاصل ہو، نقل واصل میں ہرگز فرق نہ ہو سکے۔" (۳)

"الف لیلہ" کی کہانیاں، عالمی ادب کا شاہکار ہیں یہی وجہ ہے کہ اس کے تراجم، دُنیا کی متعدد زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ پنڈت رتن ناتھ سرشارؔ کا ترجمہ بہترین تراجم میں شامل ہوتا ہے۔ رتن ناتھ سرشارؔ نے "الف لیلہ" میں ایران، عرب اور ہندوستان کی مسلم معاشرت خاص طور پر لکھنوی معاشرت کو اِس طرح پیش کیا ہے کہ روایات، عقائد، عبادات، رسوم و رواج اور تقاریب کو ہمارے سامنے لا کھڑا کیا ہے جن کی جزیات میں کھانے پینے کی اشیاء، لباس، زیورات، آلاتِ حرب، آلاتِ موسیقی، شادی بیاہ اور اموات کی رسومات، ذرائع آمد و رفت، مسلم کردار اور بادشاہوں کے رویے شامل ہیں۔ ان سب چیزوں کے ساتھ ساتھ لکھنوی معاشرت، لب و لہجہ اور فقرہ بازی کو بھی بھرپور طریقے سے پیش کیا ہے۔ ذیل میں مذکورہ تناظر میں "الف لیلہ" کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

رتن ناتھ سرشارؔ نے 'الف لیلہ" کی کہانیوں میں متنوع مشرقی کھانوں کی تفصیل پیش کی ہے۔ جلد اوّل کے صفحہ نمبر ۵۸۱: پر کلیجے، روٹیاں، شیر مال، باقر خانی، صفحہ نمبر ۱۲۱: پر نقل کباب، گزک، تلے ہوئے بادام، صفحہ نمبر: ۱۰۷ پر لوز، بادام، مربہ، مٹھائی، ناشپاتی، سیب، انار، وغیرہ کا ذکر ملتا ہے، جلد دوم کے صفحہ نمبر: ۱۷۰ پر مرغ کباب، مرغ پلاؤ، صفحہ نمبر: ۶۱۲ پر مرغیوں کا قورمہ، شربت انگور و سیب، صفحہ نمبر: ۳۲۱ پر گیلانی خشکہ، شربت لیموں، نان، ترکاری، صفحہ نمبر: ۱۷ پر شامی کباب، پرسندے کباب، شیر مال، چھوارے، کندن قلیہ، قورمہ، شب دیگ اور طوان، صفحہ نمبر: ۲۳۲ پر انارِ شیریں کا مربہ، پستے بادام کی روٹیاں، دو گوشتہ، صفحہ نمبر: ۴۳۲ پر زردہ، شربتِ قند و گلاب، صفحہ نمبر: ۶۹۱ پر مرغ کباب اور شیرینی کا ذکر ہے۔ انواع و اقسام کے کھانوں کے علاوہ بڑی مہارت سے ان کھانوں میں استعمال ہونے والے مصالحہ جات کا بھی ذکر ملتا ہے اور ان خوشبوؤں کا بھی، جو کھانوں میں، ذائقہ بڑھانے کے لیے استعمال کی جاتی تھیں۔

سرشار نے مسلم معاشرت کی عکاسی اور مہمان نوازی کے مناظر کا ایسا حقیقی نقشہ کھینچا ہے کہ یوں لگتا ہے جیسے حقیقت میں دستر خوان پر کھانا چُنا گیا ہے۔ اِس حوالے سے ایک مثال ملاحظہ ہو:

"اس سے کہا، اچھا خیر، آج رات تو ہمارا مہمان ہے اور شریک محبتِ طرب عنوان ہے، دستر خوان پر ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ، جام مے لنڈھاؤ، یہ کہہ کر:

زیبِ دستار خوان کیا وہ طعام
کہ معطر ہو جس کی بُو سے مشام

دستر خوان پر وہ کھانے چُنے کہ چشم فلک نے کبھی دیکھے نہ گوش فلک نے سنے، ایک جانب پلاؤ نایاب لاجواب، دوسری جانب نرگسی کباب، الغرض، مختلف اقسام کے کھانے آئے، دستر خوان سجے سجائے۔ صراحی اور جام اور بوتل سے دعوت کی رونق دوچند ہوئی اور ادھر بوتل کھلی۔" (۴)

مشرقی معاشرے میں جس طرح مہمان کو اہمیت دی جاتی ہے اس کے مناظر جابجا ملتے ہیں کہ جب کوئی مہمان آتا ہے تو اس کی کس طرح خدمت کی جاتی ہے۔ اس کو رحمت سمجھا جاتا ہے اور اپنے کھانے سے بڑھ کر اس کے کھانے پینے کا خیال رکھا جاتا ہے، اِسی کی ایک مثال دیکھیے:

"اچھا اب یہی فرمادیجیے کہ آپ میرے احباب کو جو میرے یہاں مدعو ہیں، کیا کھلائیے گا؟ میں نے کہا، شامی کباب، پرسندے کباب، کندن قلیہ، قورمہ اور شب دیگ اور دس مرغ پکے ہیں اور طوان۔" (۵)

سرشارؔ چوں کہ لکھنؤ میں نوابوں کے محلے میں رہتے تھے لہٰذا ان کا مشاہدہ ان کی تحریروں میں منعکس ہوتا ہے۔"الف لیلہ" میں لکھنوی معاشرت کی پیش کش کی ایک صورت؛ عورتوں کے لباس اور زیورات کے بیان کی صورت میں ملتی ہے۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

"زہرہ تمثال بنی ٹھنی سی سجائی نکل آئی۔ کانوں میں کرن پھول انمول، گلے میں بے بہا طوق اور جگنو مثلِ ماہِ تاباں، ہاتھ میں آرسی رشکِ خورشید درخشاں، ہاتھوں میں ہر وتی خوشنما جریب۔" (۶)

ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

"گلے میں جگنی، ناک میں چمپا کلی، موتیوں کی مالا، دھگدھگی، کانوں میں پتے، بالیاں، ہاتھوں میں حسین بند الماس کے کڑے، پاؤں میں سونے کے چھڑے، انگلیوں میں جواہرات کی انمول انگوٹھیاں، سر پر چھپکا، اس زیور سے جوبن کی آگ بھڑک اُٹھی اور آئینہ دیکھا تو اپنے آپ بھی اچھی معلوم ہوئی لگی۔ (۷)

خواتین کے زیورات کے بیان کے ساتھ ساتھ ان کے ملبوسات اور پارچہ جات کی ساخت کی پیش کش بھی ملتی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس عہد میں خواتین کس طرز کے ملبوسات استعمال کرتی تھیں۔ درج ذیل مثال کو سامنے رکھتے ہوئے ہم بہ آسانی ان کی فہرست مرتب کرسکتے ہیں:

"کوئی چھ مہینے کے بعد دل میں آئی کہ دس بھاری بھاری جوڑے بناؤں اور وقت ضرورت کام میں لاؤں۔ چنانچہ اطلس، کمخواب، کامدانی، جامدانی، شربتی کے تھان منگوائے، گوٹے والے بنت، گوکھرو، لیس، کناری ٹھپالے کے آئے۔ حسب دلخواہ دس جوڑے بنوائے اور ان کی تیاری میں دل کھول کے دام لگائے۔" (۸)

لباس کے انداز کے ساتھ ساتھ درج بالا اقتباس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ خواتین اپنے آپ کو سجانے اور سنوارنے کے لیے خوب خرچ کرتی تھیں۔ ان سب چیزوں کے ساتھ ساتھ خوشبوؤں کا ذکر بھی جگہ جگہ ملتا ہے۔ اس زمانے میں استعمال ہونے والی خوشبوؤں کا حوالہ کچھ یوں آتا ہے:

"وہاں سے ایک عطر فروش کی دکان پر جا کر خالص کیوڑہ، دو آتشہ، گلاب، بوباس، میں نایاب عطر فتنہ و شہناز، مشکِ اذفر و عود و عنبر، عرق بید مشک و نیلوفر کی خریداری کی۔ عطار نے خریدارِ گل عذرا کے خاطر خواہ ہر شے مہیا کر دی۔ ٹوکرے کو اس سامانِ نو خرید سے طبلۂ عطار بلکہ رشکِ ختن و تار تار بنایا اور وہاں سے چل کھڑی ہوئی۔" (۹)

داستان میں اسلامی طرزِ تعمیر کے نمونے عمارات کے بیانیے کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں جو مسلم تہذیب و ثقافت کی علامت ہیں۔ بادشاہوں، وزراء اور امراء کے محلات کی تصویر گری میں ہاتھی دانت سے بنے تخت اور ایرانی قالینوں کا استعمال ملتا ہے جو بادشاہوں کے ذوق و شوق کی ترجمانی کرتا ہے، ان محلات کو سرشار، حوروں کے گھروں سے تشبیہ دیتے ہیں، ایک مثال ملاحظہ ہو:

"جدھر دیکھتا ہے کہیں فوارے جاری، کہیں ساون بھادوں کی تیاری، سبزہ زمرد گوں، گلیائے معنبر کے الوان بوقلموں، صحن وسیع، چھتیں رفیع، صدر کے مکان میں ہاتھی دانت کا بیش بہا تخت بچھا ہوا، اس پر مذہب

ومطلّا گردپوش پڑا ہوا، طلاے خالص کے پائے، جن کے دیکھنے سے کان طلا شرمائے، زرد اطلس کا گاؤ تکیہ بڑے دام کا، اس پر بھاری کارچوب روپہلے کام کا، سامنے سنگِ مرمر کا حوض لطافت بار، پانی جواہر خیز وگوہربار۔" (۱۰)

یہ تمام نقشے نہ صرف لکھنے والے کے عمدہ ذوق کا اظہار یہ ہیں بلکہ ان کی نادرہ کار تخلیقی صلاحیتوں کا مرکز بھی۔ کمال یہ ہے کہ پڑھنے والا یوں محسوس کرتا ہے جیسے وہ خود ان محلات میں گھوم رہا ہے اور حقیقی نگاہ سے ان کا مشاہدہ کر رہا ہے اس امر کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ سرشار تمام مناظر کی جزئیات کو بھی غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں جس کے باعث یہ حقیقی مرقعے بن جاتے ہیں۔

بادشاہوں، شہزادوں اور امراء کے ساتھ شراب نوشی کا حوالہ منسوب ہے۔ اس داستان میں، تمام بادشاہ، شہزادے اور اہلِ محل، مے نوشی میں مبتلا ہیں۔ ہر دوسرے صفحے پر جامِ شراب کا ذکر ملتا ہے۔ ان کی ہر خوشی اور غم کی محفل، شراب کے بغیر ادھوری نظر آتی ہے۔ شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں اس کا واضح استعمال نظر آتا ہے، ان تقاریب میں جہاں جابجا کنیزیں نظر آتیں ہیں وہیں شراب کا ذکر بھی اسی کثرت سے ملتا ہے اور قوال و مطرب ان محافل کی جان ہیں۔ داستان میں چوں کہ مسلم تہذیب کی عکاسی کی گئی ہے لہٰذا ہر موقعے پر مشرقی واسلامی رسومات کا ذکر ملتا ہے مثال کے طور پر بچے کی پیدائش پر خوشی کے شادیانے بجانا، اور دائیوں کو انعامات سے نوازنا وغیرہ۔ پیدائش کے ساتھ ساتھ دیگر رسومات، جیسے بچے کی رسمِ ختنہ کا بھی ذکر ملتا ہے۔۔ اس کی مثال دیکھیے:

"پوچھا عجلت کیا ہے؟ کہا، آج شب کو گھر میں لڑکا پیدا ہونے والا ہے، لہٰذا مجھے جلدی جانا چاہیے۔ دوسرے نے کہا، حضور میرے بھتیجے کا ختنہ ہونے والا ہے۔" (۱۱)

اسلام میں جب بچہ سات سال کا ہوتا ہے تو اس کی بسم اللہ، کی تقریب منعقد کی جاتی ہے، داستان سے اِس کی ایک مثال دیکھیے:

"جب سروِبلند اقبال کو ساتواں سال آغاز ہوا تو بسم اللہ شروع کی گئی اور کملائے دہر و فضلائے اجل، علمائے عصر و یکتا بے بدل بلوائے، ہر فن کے ادیب اور اتالیقِ تعلیم کے لیے مقرر فرمائے۔" (۱۲)

زندگی اور موت کو الگ الگ نہیں کیا جاسکتا۔"الف لیلہ"میں طربیہ محافل کے ساتھ ساتھ رسوماتِ مرگ کا بیان بھی ملتا ہے۔ مثلاً دھوم سے جنازہ اُٹھانا، میت کے لیے دُعائے مغفرت کرنا، چالیس روز تک سوگ منانا، قبر پر جانا اور قرآن خوانی کرنا وغیرہ۔ اِیسے بیانیے، قاری کو تہذیب و معاشرت کے پیرہن میں لپٹی حقیقی زندگی کے ساتھ جوڑے رکھتے ہیں۔ داستان سے ایک منظر ملاحظہ ہو:

"جنازے کے ساتھ ساتھ روتا پیٹتا قبرستان گیا اور لاش کو خاک کے سپرد کرکے بادل حزیں واہ آتشیں آیاتِ قرآنی پڑھیں اور جناب باری سے دُعا مانگی کہ یارب، اس کو خلد آرام گاہ اور جنت مکاں کر نیک بیبیوں کے ساتھ اس کا حشر ہو۔"(۱۳)

سرشارؔ خود ہندو تھے، لیکن انھوں نے جس مہارت سے مسلم تہذیب و ثقافت کو پیش کیا ہے، اِس کی مثال نہیں ملتی۔ مسلمانوں کے مذہبی امور کے بیان میں ان کا قلم، مشاہدے کی قوت سے زیادہ، تجربیت کے مقام پر فائز نظر آتا ہے۔

داستان کے کردار، صوم وصلوٰۃ اور قرآن خوانی جیسی سرگرمیوں میں منہمک ملتے ہیں، نماز کے ساتھ نمازِ قضا کا بیان یہ ظاہر کرتا ہے کہ سرشار مسلمانوں کے مذہبی معاملات سے بہ خوبی آگاہ تھے۔ نماز کی پابندی کے ضمن میں، دو مثالیں دیکھیے:

(۱) ”جمعے کا دن تھا، لوگ نماز پڑھنے جا رہے تھے۔ کسی نے اس کو دیکھا اور کسی نے جلدی کے سبب سے غور بھی نہیں کیا۔“(۱۴)

(۲) ”علی نے وضو کیا، نماز پڑھی اور نمازِ قضا بھی ادا کی۔“ (۱۵)

تحفے تحائف دینا اور نذر کرنا، ہماری مشرقی روایات کا حصہ ہے۔ بادشاہ اور وزرا، اہم مواقع پر تحفے تحائف اور خلعتوں سے نوازتے تھے۔ مذکورہ داستان کے کردار کمال سخاوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے، اپنی خوشی کا اظہار تحفے دے کر کرتے ہیں۔ ایک مثال ملاحظہ ہو:

شاہ زمان نے تاج الملوک کو بلوایا اور اپنے سامنے دونوں کو ملایا اور سو اسپانِ بادر رفتار، عربی نژاد اور ایک تیز گام سانڈنی اور ایک سو خاص بردار اور سو کنیزانِ حور لقا، ماہ سیما اور سو غلامانِ حبشی سلیمان شاہ کو بہ طریق تحفہ بھیجے۔“ (۱۶)

مسلم رسم و رواج کے مطابق رخصتی کے وقت والدین، اپنی بیٹی کو اپنی حیثیت کے مطابق کچھ دے کر رخصت کرتے ہیں۔ داستان میں شہزادیوں کی رخصتی کے وقت، اپنے والدین کی طرف سے جو اُن کو تحفے تحائف دیے جاتے ہیں، اُن کا ذکر بھی ملتا ہے۔

"وزیر نے تحفے تحائف نذر کیے اور دو مہینے تک زہر شاہ نے جشن جمشیدی اور بزم فریدونی منعقد کی۔ اور امرا اور وزراء اراکین دربار کے علاوہ غربا اور مساکین کو خوب کھانا کھلوایا اور شاہزادی کو کروڑوں روپے کے جواہرات اور سیم وزر وزیور دے کر خیمے شہر کے باہر نصب کیے۔“ (۱۷)

مسلم معاشرت میں وراثت اور جائیداد کی تقسیم بھی اہم موضوع ہے۔ رتن ناتھ سرشارؔ نے اس کا ذکر کیا کچھ یوں کیا ہے:

"میں نے گواہوں کو طلب کیا اور ایک کاغذ پر وصیت نامہ لکھا کہ میری جائیداد اس طرح تقسیم ہونی چاہیے۔ اور ایک شخص کو ولی مقرر کیا اور لکھا کہ میریاست کل مکانات اور جائیداد غیر منقولہ کو بیچ ڈالے اور بوڑھے اور بالے سے کی پرورش کرے۔“ (۱۸)

”الف لیلہ“ میں جہاں بادشاہوں، شہزادوں، شاہزادیوں، وزیروں، وزیرزادیوں، اہلِ محلات، ماماؤں، خادماؤں، مقربِ خاص، حبشی جوانوں اور کنیزوں کا ذکر بہت زیادہ ملتا ہے جو کہ ہماری ثقافت کا حصہ ہے وہیں ان کنیزوں کی وفاداریوں اور سازشوں کے قصے بھی بکھرے پڑے ہیں:

”یہاں بیٹھتے ہی تھے کہ دس کنیزانِ حور لقا، مہر سیما بادۂ حسن کے سرور میں چور، جوانی کے نشے میں مست و مخمور، اداؤں میں شوخی اور چلبلاپن، قیامت کا جوبن، البیلی، متوالی، سیہ چشمانِ بہشت کی شرمانے والی لحنِ باربدی میں گانے اور بجانے لگیں، دل کو لبھانے لگیں۔“ (۱۹)

داستان میں مستعمل ذرائع آمد و رفت میں؛ جہاز، کشتی، بوٹ، اونٹ، ہاتھی، گھوڑے، سانڈنی، خچر، شتر، اور قاطر وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔ بوٹ کا استعمال ملاحظہ ہو:

"دو خواجہ سرا، ایک چھوٹے سے بوٹ پر سوار، مسجد کے رُخ آرہے ہیں اور اسی کشتی پر کچھ خالی صندوق لا رہے ہیں۔"(۲۰)

"الف لیلہ "میں جہاں محافلِ موسیقی وطرب نظر آتیں ہیں وہیں ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں بچوں کی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ دی جاتی تھی۔ انھیں مختلف علوم سکھائے جاتے تھے جن میں قرآن پاک کی تعلیم کے ساتھ علمِ ادب ومربیہ، شہسواری، تیر اندازی اور فنونِ حرب وغیرہ شامل ہیں۔ داستان کی دونوں جلدوں میں ہمیں آلاتِ حرب کا خصوصی حوالہ ملتا ہے۔ ان آلات میں فولاد کے خنجر، کلہاڑے اور مختلف اقسام کی تلواروں کا ذکر ملتا ہے۔ یہ تمام آلات اس زمانے کے سامانِ حرب میں شامل تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے شہروں اور ملکوں کا بیان ملتا ہے، ان میں اسکندریہ، لبلبک، بغداد، دمشق، ایران، مصر، بصرہ، قاہرہ، مینوسواد، سرکیشیا، جارجیا، یونان، موصل، ترکی، بین القصرین، کوہ صفایان، المدینۃ الخضر وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔ تعلیم وتربیت کے حوالے سے ایک مثال دیکھیے کہ اطوارِ حمیدہ وشائستہ کو اس دور میں، کس قدر اہمیت دی جاتی تھی:

"شیخ نے جواب دیا، لاحول ولا قوۃ۔ تیرہ برس سے میں نے شراب کو ہاتھ نہیں لگایا، ایک جام بھی میرے روبرو نہیں آنے پایا۔ کیونکہ جنابِ رسول ثقلین کا قطعی حکم ہے کہ شراب کے قریب نہ جانا، اس مردار کو ہرگز منھ نہ لگانا۔"(۲۱)

سرشارؔ کے تخیل کی بلند پروازی نے باغات کے ایسے مناظر گھڑے ہیں جو ہماری تہذیب کے رنگوں میں رنگے ہوئے ہیں اور بیان پر ایسی مہارتِ تامہ حاصل ہے کہ یہ مناظر، قاری کو خوابناک فضاؤں کا مسافر بناتے ہیں۔ پھولوں کی اقسام کا بیان، دریا کی خوش خرامیاں اور طیورِ خوش الحان؛ باغات کے مناظر کو اکملیت کے درجے پر پہنچاتے ہیں، یوں باغ، اپنی پوری جزئیات کے ساتھ قاری کے دل میں دھڑکنے لگتا ہے۔ ایسے ہی دو مناظر ملاحظہ ہوں:

"کہیں بیلہ، چنبیلی، موگرا، کسی مقام پر نسرین ونسترن، کہیں یاسمین ویاسمن۔ روشوں میں زمین پر پھول اس طرح غلطاں کر معلوم ہوتا تھا پھولوں کا قالین بچھا ہے اور الوانِ مختلف سے خوشنما ہے۔ ایک جانب دریا کی روانی، دوسری جانب طیور ذی شعور کی خوش الحانی۔" (۲۲)

"بلبل ہزار داستان کی نغمہ سرائی روح کو وجد میں لاتی تھی دل کی کلی کھلی جاتی تھی۔ فاختہ کی دستک زنی اور کوکو کا شور، قمری کی زبان سے ناہئ حق سرہ کی سرائے خوش دل کو بے چین کیے دیتی تھی۔ دراج اور تیہو کی نوائے دلخراش کوئل کی کوکو، طاؤس کی آوازِ دلکش۔" (۲۳)

اِس داستان میں بیان کردہ واقعات میں توہمات اور ضعیف الاعتقادی کی کارفرمائی نمایاں ہے۔ جلد دوم، صفحہ نمبر:۷۰ پر زہرہ، مشتری اور ارتفاعِ شمس کا حوالہ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ تلمیحی حوالے بھی موجود ہیں جن میں؛ برق کوہِ طور، صبر ایوب، عذرا ووامق، ارسطو، عمرِ خضر والیاس، خزانہ ٔقارون، حاتم طائی، رستم سیتانی اور شیخ چلی وغیرہ کا حوالہ تہذیب اور روایت کی بو باس میں رچا بسا ملتا ہے۔

"الف لیلہ "کا پلاٹ بہت مربوط اور منضبط ہے۔ یہی مضبوط پلاٹ قاری کو تمام داستان میں اپنی گرفت میں لیے رکھتا ہے اور ایک لمحے کے لیے بھی اِدھر اُدھر نہیں ہونے دیتا۔ قاری پورے انہاک سے، ہر ہر واقعے پر

نظر رکھتا ہے۔ داستان میں جو اقعات پیش کیے گئے ہیں ان کا ہماری روزمرہ زندگی سے کوئی تعلق یا واسطہ نہیں ہے، وہ حقیقت سے بہت دور ہیں، لیکن پڑھتے ہوئے اس بعد کا احساس بالکل نہیں ہوتا۔ کیوں کہ یہ تمام واقعات ہماری تہذیب اور روایت کے بنیادی ڈھانچے میں منقلب ہیں۔ سرشارؔ نے کہانی کو اس خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے کہ دلچسپی شروع سے لے کر آخر تک قائم رہتی ہے۔ ایک لکھاری کی یہ کامیابی ہوتی ہے کہ قاری جب وہ تحریر پڑھے تو اپنے آپ کو اس تحریر کا حصہ سمجھنے لگے۔ ایسا تبھی ممکن ہے جب مذکورہ واقعات اور حقیقی دنیا کا ادغام وانضمام کیا جائے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) ڈاکٹر سہیل بخاری، اُردو داستان، تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء)، ۵۴۔

(۲) ڈاکٹر گیان چند، اُردو کی نثری داستانیں، (نئی دہلی: کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، ص ۲۰۰۲ء)، ۱۰۹۔

(۳) خواجہ امان دہلوی، دیباچہ "حدائق الانظار"، (ترجمہ بوستان خیال)، بہ حوالہ اُردو کی نثری داستانیں از ڈاکٹر گیان چند، ۵۵۔

(۴) رتن ناتھ سرشارؔ، ترجمہ الف لیلہ، (کراچی: آکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۰ء)، ۱: ۱۱۶۔

(۵) ایضاً، ۲: ۷۱۔ (۶) ایضاً، ۱: ۸۰۔ (۷) ایضاً، ۲۲۲۔

(۸) ایضاً، ۲۲۲۔ (۹) ایضاً، ۱۰۸۔ (۱۰) ایضاً، ۱۰۔

(۱۱) ایضاً، ۲: ۱۴۲-۱۴۳۔ (۱۲) ایضاً، ۱: ۳۰۰۔ (۱۳) ایضاً، ۲: ۲۵۔

(۱۴) ایضاً، ۱۱۳۔ (۱۵) ایضاً، ۲۹۳۔ (۱۶) ایضاً، ۲۷۹۔

(۱۷) ایضاً، ۲۱۹۔ (۱۸) ایضاً، ۸۰۔ (۱۹) ایضاً، ۲۸۳۔

(۲۰) ایضاً، ۳۷۔ (۲۱) ایضاً، ۱۵۹۔ (۲۲) ایضاً، ۱۵۹۔

(۲۳) ایضاً، ۱۵۸۔

References

(1) Dr. Sohail Bukhari, *Urdu Dastan, Tehqeeqi-o Tanqeedi Mutali'a*, (Islamabad: Muqtadra Qaumi Zuban, 1947), p.54.
(2) Dr. Gayan Chand, *Urdu ki Nasri Dastan*, (New Delhi: Councial Baray-e Qaumi Zuban, 2002), p.109.
(3) Khwaja Aman Dehalwi, debacha, *Hadaiqul Antezar*, (Tarjuma Bostan-e Khyal), reference by *Urud ki Nasri Dastanein* by Dr. Gayan Chand, p.55.
(4) Ratan Nath Sarshar, *Tarjuma Alif Laila*, (Karachi: Oxford University Press, 2010), 1:116.
(5) ibid, 2:71. (6) ibid, 1: 80. (7) ibid, 1:222.
(8) ibid, 1:222. (9) ibid, 1:108. (10) ibid, 1:10.
(11) ibid, 2:143. (12) ibid, 1:300. (13) ibid, 2:25.
(14) ibid, 2:113. (15) ibid, 2:293. (16) ibid, 2:279.
(17) ibid, 2:219. (18) ibid, 2:80. (19) ibid, 2:283.
(20) ibid, 2:37. (21) ibid, 2:159. (22) ibid, 2:159.
(23) ibid, 2:158.

❖❖❖